بحث و نظر

کارل مارکس کی انسان دوستی

زیر نظر بحث ایک مسئلے کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش ہے۔ معاشی زبوں حالی کا شکار معاشروں میں زوال یافتہ اشتراکیت سے کچھ رومانوی سی یادیں وابستہ کی جا رہی ہیں۔ مسئلے کی نظریاتی اہمیت بھی ہے۔ اس لیے بہتر تفہیم کی خاطر پروفیسر عبدالقدیر سلیم اور سلیم منصور خالد دونوں کی تحریریں یکجا پیش کی جا رہی ہیں۔ بحث و نظر میں تحریریں مختلف نکتہ ہاے نظر کی نمایندگی کرتی ہیں۔ ترجمان القرآن کا ان سے اتفاق ضروری نہیں۔ (مدیر)

۱

عبدالقدیر سلیم

میرے عزیز بھائی سلیم منصور خالد نے ”عالمی سرمایہ داری کا مستقبل“ کے عنوان سے میری گزارشات (**ترجمان القرآن**، اکتوبر ۹۷ء) پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر پر استدراک کیا ہے، کہ میں نے کارل مارکس کو ”انسان دوست“ کہا ہے۔

میں نے جدید سرمایہ دارانہ معیشت کے باوا آدم، ایڈم اسمتھ کے آزاد تجارت اور منڈی کی معیشت کے فلسفے کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ ”کارل مارکس نے انسانی معاشرے اور معیشت کا ایک زیادہ عمیق اور انسان دوست فلسفہ پیش کیا“۔ دوسری جگہ میں نے لکھا تھا کہ ”کارل مارکس اور اس کے پیش رو انسان دوست حکما نے سرمایہ داری کے ظالمانہ نظام اور اس کے بھیانک نتائج کے خلاف صداے احتجاج بلند کی تھی“--- یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے۔

کیا کارل مارکس (۱۸۱۸-۱۸۸۳) فی الحقیقت انسان دوست تھا؟ اس کے دل میں معاشرے کے غریب، محروم، پچھڑے اور مصیبت کے مارے ہوئے (wretched of the earth) لوگوں کے لیے کوئی درد تھا یا نہیں، اس کے بارے میں اس کے سوانح نگاروں کے ہاں بہت کچھ مل جائے گا۔ میں ان تفاصیل میں جانے کے بجائے اس کی زندگی کے چند نشانات کی طرف اشارہ کروں گا۔

مارکس یہودی نژاد تھا، لیکن عام عقیدے کے برخلاف اس کی ولادت ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی، اور اسے عیسائی طریقے کے مطابق بپتسمہ دیا گیا۔ اس کا باپ ایک خوش حال قانون دان تھا، جس نے غالباً اپنے پیشے کی خاطر اپنے آبائی مذہب یہودیت کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ تاہم وہ عصری ”روشن خیالی“ کی تحریکوں کا حامی تھا۔ وہ کانٹ کے عقل پر مبنی عقائد اور والٹیر کی روشن خیالی کا دل دادہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کارل مارکس کی اسی انداز میں تعلیم و تربیت کی۔ مارکس کی اوائل عمری کی تحریروں میں اس کی نسلی یہودیت (مظلومیت، محرومی اور پچھڑے ہوئے طبقے سے وابستگی) اور عیسائی عقیدے (انسانیت کی خاطر قربانی اور ایثار) کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

اپنی علمی اور قلمی زندگی کا آغاز اس نے کولون (جرمنی) کے ایک اخبار میں اداریہ نویسی سے کیا، جس میں پس ماندہ اور مظلوم محنت کش طبقے کی حمایت کی جاتی تھی۔ اگرچہ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اس کے قلم کی بہتر مزدوری، نسبتاً بہتر اور کثیر الاشاعت اخبارات میں بھی مل سکتی تھی۔ اسے اپنے نظریات اور تحریکوں میں حصہ لینے کی پاداش میں جرمنی، فرانس اور پھر جرمنی سے نکالا گیا، اور آخر اس نے انگلستان میں پناہ لی، جہاں لندن میں برٹش میوزیم کے کتب خانے میں اس نے مطالعے اور تحریر کے لیے اپنا بیش تر وقت وقف کر دیا۔ اس کی توجہ اور تگ و دو اپنے اس معاشی فلسفے کی اشاعت اور اس کے لیے عملی جدوجہد میں مرکوز رہی، جس کے مطابق تاریخ کی توجیہ ”طبقاتی کش مکش“ کی اصطلاحات ہی میں کی جا سکتی تھی۔

مظلوم اور محروم محنت کش طبقے کی وکالت اور اس کے لیے جدوجہد نے، اسے اپنے بیوی بچوں کی طرف توجہ دینے کی کم ہی فرصت دی اور وہ انھیں کبھی خوش حال آسودہ زندگی سے روشناس نہ کرا سکا۔ ۱۸۵۰ میں اس کے بیوی بچوں کو کرائے کے مکان سے نکال دیا گیا، اور اس کا سامان ضبط کر لیا گیا، کہ اس کے پاس کرایہ دینے کے لیے رقم نہ تھی۔ اس کے کئی بچوں کا انتقال اسی غربت اور بے کسی میں ہوا--- اس کے الفاظ میں: ”بورژوا طبقے کی مسلط کردہ فلاکت [نحوست] کی قربانی“ میں۔ یوں وہ ان دانش وروں سے بالکل الگ نظر آتا ہے، جو امیرانہ ٹھاٹھ باٹ اور آسایشوں کو قربان کیے بغیر نہایت آرام کے ساتھ غریبوں اور مظلوموں کی حمایت میں سرگرم نظر آتے ہیں، ان کے حق میں آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔

مارکس نے معاشرے کے مظلوم اور محروم طبقات کے لیے کسی بھی الہامی اور ماورائے عقل انسانی ہدایت کو واضح طور پر مسترد کیا ہے اور مذہب کو ”محنت کشوں کے لیے افیون“ قرار دیا ہے، جس کے ذریعے استحصالی طبقات انھیں مطمئن اور خوابناک غفلت میں رکھتے ہیں کہ وہ ان کے ظلم و ستم، ناانصافیوں اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف کھڑے نہیں ہو پاتے۔ اٹھارویں/ انیسویں صدی کے تناظر میں دیکھیں تو یہ حقیقت صاف نظر آتی ہے، اور اب بھی صورت حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، بقول اقبال ۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

روایتی مذہبی طبقات نے انسانوں کو اپنی زبوں حالی کا خوگر اور اپنی قسمت کو "قسام ازل" کی تحریر باور کرانے میں استحصالی طبقات کی پوری پوری مدد کی تھی، اور کر رہے ہیں۔ اس طبقاتی گٹھ جوڑ کے خلاف مارکس کی تحریک "انسان دوستی" پر مبنی ہی نظر آتی ہے، اور اسی لیے اقبال نے نظریاتی اختلاف کے باوجود اس کی نیت (قلب) کو درست قرار دیا ہے، اگرچہ وہ اس کی فکر (دماغ) کو رد کرتے ہیں۔ وہ اسے "پیغمبر بے جبرئیل" قرار دیتے ہیں۔

صاحب سرمایہ از نسل خلیلؑ یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل
زانکہ حق د باطل او مضمر است قلب او مومن، دماغش کافراست

(سرمایہ کا مصنف، جو ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے ہے، وہ پیغمبر بے جبرئیل ہے، اس کی فکر میں حق و باطل مخلوط ہیں، اس کا قلب تو مومن ہے، لیکن دماغ کافر [منکر حق] ہے)

اقبال نے مارکس کو "پیغمبر" اسی لیے قرار دیا (اگرچہ وہ ہدایت الہامی سے محروم تھا) کہ پیغمبر کا کام ہی انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے چھڑانا ہے۔ ان کے کلام میں کئی جگہ اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے کنجشک فر و مایہ کو شاہیں سے لڑا دو
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو

اللہ کے آگے سجدہ ریز ہونا اور دوسری جانب خواہشات کے بتوں کو تراشنا، بقول اقبال حرم و دیر کا وطیرہ بن چکا ہے۔ کارل مارکس کا تصور مذہب بھی اسے اس طرف لے گیا کہ یہ استحصالی طبقات کا ممد و معاون ہے، لہٰذا اسے مسترد کر دینا چاہیے۔ مارکس کی مذہب بیزاری کا محرک اس کا "انسان دوستی" کا جذبہ ہی تھا۔ اسی طرح اپنی مشہور طویل نظم "خضر راہ" میں "سرمایہ و محنت" کے عنوان سے اقبال نے جس طبقاتی فہم کا اظہار کیا ہے، اسے بھی اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ اقبال کی اسلامی فکر سے وابستگی اور اشتراکیت کا استرداد ہر شک و شبہ سے بالا ہے، تاہم وہ کہتے ہیں۔

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے سکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اسلام کو ایک مکمل نظام حیات سمجھنے والے اگر کارل مارکس کے استرداد مذہب کو اس روشنی میں دیکھیں، جن کا اظہار اقبال کے مندرجہ بالا اشعار اور متعدد مقامات پر ان کے کلام میں ہوتا ہے، تو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ وہ کیوں مذہب کو "برگ حشیش" اور "معجون خواب آور" سمجھ کر اس کی مخالفت کرتا تھا۔ وہ خود مذہب کے انقلابی تصور اور کردار سے ناآشنا تھا، اور شاید اسی لیے قابل معافی بھی ہے۔ غالباً اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی، کہ اس کے بعد اس کے فلسفے "مارکسیت" کے نام پر روس میں جو انقلاب آئے گا، اس میں پرولتاریہ [مزدوروں] کی آمریت، مارکس ازم، لینن ازم اور پھر اسٹالن ازم اور ماؤازم کے نام پر کیا گل کھلائے گی، اور زوال اشتراکیت کے بعد سرمایہ داری کس ظالمانہ شان کے ساتھ روس اور باقی دنیا میں ایک "ظہور نو" کا آغاز کرے گی۔

کارل مارکس کے مطلقاً استرداد مذہب کے دو بڑے نقصان ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی فکر، مذہب کی اس طاقت سے محروم ہو گئی جو انسانوں کو کائنات کی خالق، حی ولایموت قوت سے وابستگی اور آخرت پر یقین کے ذریعے حرکت و نمو کے لامتناہی امکانات سے آشنا کرتی ہے۔ دوسری طرف مذہب اور خصوصاً اسلام پر یقین رکھنے والوں کے دل پر اس نے اس کی فکر کے لیے ایک پردۂ مزاحمت تان دیا ہے، کہ وہ اسے مکمل طور پر مسترد کر دینے کا رجحان رکھتے ہیں۔ اس پردے کو ہٹا کر دیکھا جائے تو شاید اس کی شخصیت سے بہتر آشنائی ہو سکے۔

۲

سلیم منصور خالد

انسانی تاریخ میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر خیر و شر کی قوتیں اپنا اپنا حصہ ادا کرتی چلی آئی ہیں۔ یہاں پر ظلم اور زیادتی کے مقابلے میں ہمدردی، احترام اور پاکیزگی کے نقوش زیادہ دیرپا ہوتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ "دانش، مومن کی گم شدہ میراث ہے"۔ اس لیے دانائی کی بات قبول کرنے کے لیے مسلمانوں نے کبھی اس چیز کو اپنے لیے نفسیاتی مسئلہ نہیں بنایا، کہ وہ کس مذہب یا کس عقیدے کے حامل فرد نے کہی---